حضرتِ نوحؑ وطوفانِ نوحؑ

(۲)

(مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی)

فروری ۱۹۴۲ء کے برہان میں "عنوان بالا" کے تحت ایک مضمون سپردِ قلم کیا گیا تھا جس کی زمین شیخ عبدالوہاب صاحب نجار کی کتاب قصص الانبیاء سے تیار کی گئی تھی۔ اصل مضمون اگرچہ پہلی قسط میں ہی ختم ہو گیا تھا مگر بعض ضمنی مباحث باقی تھے۔ موجودہ مضمون ان ہی مباحث کا مختصر تکملہ ہے۔ سابق مضمون میں ایک فردگذاشت ہے جو قابلِ اصلاح ہے یہ فردگذاشت "جس کی جانب بعض دوستوں نے بھی توجہ دلائی اور مضمون چھپنے کے ساتھ ہی خود مجھ کو بھی تنبہ ہوا" سورۂ عنکبوت کی یہ آیت ہے "انا منجوك واهلك الا امرأتك" دراصل یہ آیت حضرت لوط علیہ السلام سے متعلق ہے جو غلطی سے حضرت نوحؑ کی نسبت سے درج ہو گئی ہے۔ استدلال اگرچہ بغیر اس کے بھی اپنی جگہ صحیح اور مستحکم ہے مگر انتساب آیت صحیح نہیں ہے۔

"ح"

(۱) طوفانِ نوح (علیہ السلام) خاص حصۂ زمین سے وابستہ رہا ہو یا تمام کرۂ زمین سے مذاہبِ عالم کی تاریخ اور علم آثارِ ارض سے یہ قطعی ثابت ہو چکا ہے کہ یہ واقعہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے، اور اسکی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ توراۃ کے علاوہ قدیم ہندو مذہب کی کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اور اگر چہ

قرآن عزیز کے بیان کئے ہوئے سادہ اور صاف واقعات کے مقابلہ میں اُن میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تاہم نفس واقعہ کے اظہار میں یہ سب متفق نظر آتے ہیں۔

مولانا سید ابو نصر احمد حسین بھوپالی نے اپنی کتاب "تاریخ الادب الہندی" میں تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو نقل کیا ہے جس کا عنوان ہے "برہمانا داد بانشیار" اس میں حضرت نوح (علیہ السلام) کو ماؤ کہا گیا ہے۔ جس کے معنی "خدا کا بیٹا" یا "نسل انسانی کا جدِ اعلیٰ" بتائے جاتے ہیں۔

۹۵۰
(۲) قرآن عزیز نے صراحت کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تبلیغ و دعوت کا فرض انجام دیا۔

ولقد ارسلنا نوحاً الیٰ قومہ فلبث ـ اور بلاشبہ ہم نے نوح کو اسکی قوم کی جانب رسول
فیھم الف سنۃ الا خمسین عاما (عنکبوت) بنا کر بھیجا پس وہ رہا اُن میں پچاس کم ایکہزار سال

یہ عمر، عمر طبعی کے اعتبار سے بعید از عقل معلوم ہوتی ہے لیکن محال اور ناممکن نہیں ہے اس لئے کہ کائنات کی ابتدا میں ہموم و افکار اور امراض کی یہ فراوانی نہیں تھی جو چند ہزار برسوں میں انسانی تمدن کے مصنوعی سامانوں نے پیدا کر دی ہے: نیز حضرت نوح کی عمر کا معاملہ یہ اُسی قسم کے مستثنیات میں سے ہے جو انبیا علیہم السلام کی تاریخ میں موہبت الٰہی اور معجزات کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں، اور جن کی حکمت و غایت کا معاملہ خود خدائے تعالیٰ کے سپرد ہے مذہب میں اس قسم کے مخصوص مسائل عقلاً بھی قابل تسلیم ہیں جبکہ وہ ناممکن اور محال کی حیثیت رکھتے ہوں۔

قرآن عزیز نے کسی نبی اور پیغمبر کی دعوت و تبلیغ کی مدت کا صراحت کے ساتھ اس طرح تذکرہ نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت نوح کے واقعہ میں مذکور ہے۔ لہذا آج تقریباً سات ہزار سال قبل کی طویل عمر کے تاریخی شواہد کے اعتبار سے اگر اس کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کی پوری گنجائش ہے اور اگر تاریخ کی ان شہادتوں کو غیر وقیع مان کر انکار کر دیا جائے تب بھی اس واقعہ کو مخصوص حالات کے زیر اثر ایک

عطیہ الٰہی سمجھنا چاہئے جو ایک رسول اور پیغمبر کی دعوت و تبلیغ کی حکمتوں سے وابستہ ہے، راجح اور تحقیقی مسلک یہی ہے۔

لیکن مشہور شاعر ابو العلا المعری اپنے چند اشعار میں یہ ظاہر کرتا ہے کہ قدیم زمانوں میں دستور تھا کہ لوگ "سنہ" اور "عام" (سال) بولکر شہر (مہینہ) مراد لیا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی خدمات کی عمر تقریباً اسی سال ہوتی ہے۔ اور ان کی کل عمر ڈیڑھ سو سال سے آگے نہیں بڑھتی۔

(۳) بعض مفسرین نے اسرائیلیات (توراۃ و یہود کی روایات) سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طوفان نوح سے چالیس سال قبل — قوم نوح کی عورتوں کو بانجھ کر دیا تھا تاکہ جدید نسل عالم وجود میں نہ آئے مگر یہ روایت "غپ شپ" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور غالباً اسے اس لئے گھڑا گیا ہے کہ یہ اعتراض پیدا نہ ہو کہ طوفانِ نوح کی صورت میں معصوم بچوں نے کیا قصور کیا تھا کہ وہ بھی لقمۂ اجل ہو گئے۔

ان احتیاط پسند حضرات کو شاید یہ بات فراموش ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کا قانون جس کا نام "عادت اللہ" ہے اس بارہ میں کیا ہے۔ ورنہ اُن کو اس لایعنی روایت کے بیان کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی جو اکثر یہود کے غلط افکار و عقائد کی مخلوق ہوتی ہیں۔ کائنات ہست و بود میں "عادت اللہ" یہ جاری ہے کہ امراض، وبار، طوفان، زلزلے، جیسے امور جب بھی کسی سبب سے نمودار ہوتے ہیں خواہ وہ عذاب کے لئے ہوں یا عام حالات زندگی کے اعتبار سے کسی خارجی سبب کے ذریعہ ظاہر ہوئے ہوں، تو جس مقام پر وہ نازل ہوئے ہیں وہاں کی آبادی میں نیک و بد، ولی و شیطان زاہد و عابد اور فاسق و فاجر کے مابین کوئی تمیز نہیں کرتے بلکہ اسباب عادیہ کے زیر اثر مسببات کو وجود میں لانے کے لئے من جانب اللہ مامور ہیں۔ اور دنیوی زندگی کے اعتبار سے اُن کی لپٹ میں ہر وہ انسان آجاتا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے ان اسباب کا مسبب بن جاتا ہے۔

البتہ عالمِ آخرت کے اعتبار سے یہ امتیاز نمایاں ہوتا ہے کہ فاسق و فاجر اور خدا کے دشمن کے لئے یہ اسباب عذاب الٰہی بنتے، اور مطیع و فرمانبردار اور نیک کردار انسان کیلئے موجب سعادت و درجات عالیہ کا مستوجب ہوتے ہیں۔

کیا ہماری نگاہیں روز مرہ یہ مشاہدہ نہیں کرتیں کہ جب زلزلہ آتا ہے تو نیک و بد دونوں پر یکساں اثر کرتا ہے، وبا پھیلتی ہے تو نیک کردار و بدکردار دونوں ہی اُس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اور دونوں کے رشتۂ حیات کے لئے وہ یکساں مہلک ثابت ہوتا ہے۔

البتہ یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئے کہ جب کبھی اس قسم کا عذاب نبی اور پیغمبر کی پیہم نافرمانی کی وجہ سے کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو پیغمبر کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دیدی جاتی ہے اور یہ حکم ہو جاتا ہے کہ وہ مع اپنے اُن پیروں کے جو اسلام کے دامن سے وابستہ ہوگئے ہیں عذاب کی اُس بستی سے باہر چلا جائے۔ اور ببانگ دہل یہ کہہ کر جائے کہ یا قوم اُس کے لائے ہوئے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے ورنہ خدا کے عذاب کو قبول کرے۔

بہرحال مفسرین نے جس احتیاط کی خاطر اسرائیلیات کے اس ذخیرہ سے مدد لینی چاہی ہے وہ قطعاً بے ضرورت ہے اور معاملہ کی حقیقت یہی ہے جو سطور بالا میں پیش کی گئی۔

پس طوفانِ نوح میں قوم نوح کے مرد و عورت، بوڑھے اور جوان، بچے اور بچیاں سب ہی طوفان کی ہلاکت خیزیوں کا شکار ہوئے اور دنیا رکفر کا وہ حصہ سب ہی برباد کر دیا گیا۔ اب معاملہ خدا کے سپرد ہے کہ جن عاقل و بالغ انسانوں نے نافرمانی کی تھی اُن کے حق میں یہ دائمی اور سرمدی عذاب بنا اور جو معصوم اور غیر عاقل تھے وہ آخرت کے عذاب سے مامون و محفوظ قرار پائے۔

(۴) سفینۂ نوحؑ طوفان کے بعد کس مقام پر ٹھیرا؟ توراۃ نے اس کا نام اراراط بتایا ہے۔ حضرت نوحؑ کی دعوت و تبلیغ اُس سرزمین سے وابستہ تھی جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع

ہے اور یہ دونوں دریا آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلے ہیں۔ اور جدا جدا بہ کر عراق کے حصۂ زیرین میں آکر مل گئے ہیں۔ پھر خلیج فارس میں سمندر میں جا گرے ہیں۔ آرمینیا کے یہ پہاڑ ارارا ط کے علاقہ میں واقع ہیں اسی لئے توراۃ میں ان کو ارارا ط کا پہاڑ کہا ہے۔ مگر قرآن عزیز نے اس پورے علاقہ کی بجائے صرف اُس خاص مقام کا تذکرہ کیا ہے جہاں کشتی جا کر ٹھیری تھی، یعنی جودی کا۔ توراۃ کے شارحین کا یہ خیال ہے کہ جودی اُس سلسلۂ کوہ کا نام ہے جو ارارا ط اور جارجیا کے پہاڑی سلسلہ کو باہم ملاتا ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سکندر اعظم کے زمانہ کی یونانی تحریرات بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ اور اس تاریخی واقعہ کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آٹھویں صدی مسیحی تک اس جگہ ایک "معبد" اور "ہیکل" موجود تھا، جو "کشتی کا معبد" کہا جاتا ہے۔

(۵) ایک مفسر نے حضرت نوح (علیہ السلام) کے بیٹے کنعان کے نجات نہ پانے کے متعلق ایک لطیف اشارہ کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) جلیل القدر پیغمبر اور مستجاب الدعوات تھے انھوں نے دعاء اور بد دعاء دونوں حالتوں میں خود اپنے بیٹے کو فراموش کر دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ کافر بیٹے کا تمرد اور اُس کی سرکشی پاداش عمل کی صورت میں نمودار ہوئی اور وہ بھی ہالکین کے ساتھ غرق دریا ہو کر رہ گیا۔

حضرت نوح (علیہ السلام) نے جو قوم کو راہ راست پر لانے سے عاجز آ گئے تھے سب سے پہلے یہ دعا کی۔

رب لا تذر على الارض من الكافرين	اے پروردگار تو اس زمین پر کسی بسنے والے کافر
دیارا انک ان تذرھم یضلوا	کو زندہ نہ چھوڑ اس لئے کہ اگر تو ان کو زندہ چھوڑیگا
عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا	تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے اور ان
(نوح)	کی اولاد کا سلسلہ بھی گمراہی اور کفر ہی پر قائم رہیگا

اور یہ قطعاً فراموش کردیا کہ اس موقعہ پر کنعان کو مستثنیٰ کرکے اس کے لئے قبول ہدایت کی دعاء مانگنا چاہئے. یا بیٹے کے کفر کا علم ہی نہ تھا. دوسری مرتبہ جناب باری میں یہ دعا کی۔

رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومنا وللمومنین والمومنات (نوح) — اے پروردگار مجھ کو بخشش اور اس شخص کو بھی بخشش سے نواز جو مومن ہوکر میرے گھر میں داخل ہوا اور مومنین و مومنات کو بھی بخش دے

مگر اس موقعہ پر بھی انھوں نے کنعان کا استثنار نہیں کیا اور یا اس کے مومن ہوکر گھر میں داخل ہونے کی دعا نہیں فرمائی۔

تیسری مرتبہ پھر یہ بددعار کی۔

ولا یزد الظلمین الا تبارا — اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے سوا کچھ اضافہ نہ کر

کنعان، ظالم تھا اس لئے کہ کافر تھا، موقعہ تھا کہ استثنار کرکے اس کے لئے ظالم نہ رہنے کی دعار بھی فرمالیتے اور اگر معلوم نہ تھا تو یہ بدقسمت بیٹے کی بدقسمتی پر ازلی مہر تھی جو ثبت ہوکر رہی۔

پس جب وقتِ قبولیتِ دعا آپہنچا اور کنعان کی سرکشی بدستور رہی تو اب محبتِ پدری کا جوش خدا کے عادلانہ فیصلہ کے سامنے نہ ٹھیر سکا۔ اور اس کی نجات کی دعار پر اپنی نادانی کے اعتراف کے ساتھ عذر خواہی کرنی پڑی۔ اور بایں ہمہ جلالت قدر خدا کے سامنے اپنی بندگی کے اظہار ہی کو بہتر سمجھ کر عبدِ کامل ہونے کا ثبوت پیش فرمایا، اور درگاہ الٰہی سے شرفِ مغفرتِ حاصل کرکے قربت الٰہی کو حاصل کیا۔

خاتمہ کلام مسئلہ کی اصل بحث اگرچہ پہلے نمبر میں ختم ہوچکی تھی مگر بعض ضروری ضمنی مباحث کا ذکر بھی ناگزیر تھا سطور زوق میں سپرد قلم کئے جاچکے ہیں لیکن اصل مضمون کی اشاعت کے بعد بعض اہل قلم نے اس پر استدراک کے عنوان سے کچھ لکھ کر بھیجا تھا میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ اس میں اس بات کا

اظہار ہے کہ یہ طوفان نوح، عام تھا خاص نہ تھا۔ اور یا ہندو مذہب کی نقول سے اس طوفان کی تائید میں مواد بہم پہنچایا گیا ہے۔ اور یا پھر نفس طوفان کے ثبوت میں بعض وہ دلائل مذکور ہیں جو میرے اصل مضمون میں مفصل بیان ہو چکے ہیں اس لئے آخری بات کو چھوڑ کر پہلی بات کے متعلق صرف یہ گذارش ہے کہ عام اور خاص کی بحث کچھ زیادہ معنی خیز نہیں ہے۔ کیونکہ عذاب کی مستحق خدا کی وہ نافرمان مخلوق تھی جو ربع مسکون کے فقط ایک خطہ میں آباد تھی اور انسانی آبادی ابھی دنیا کے ہر گوشہ تک وسیع نہیں ہوئی تھی لہذا طوفان کو اس قدر عام ماننے کے کوئی معنی نہیں نظر آتے کہ ربع مسکون کا کوئی گوشہ بھی اس سے خالی نہ ہو۔ اور بفرض اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو اثرات کے اعتبار سے وہ اس حصۂ زمین کے حق میں قابل ذکر ہے جس مقام پر خدا سے سرکش قوم حضرت نوح علیہ السلام کی توہین و تذلیل کے درپے تھی اور باقی حصۂ زمین بحث سے خارج ہے۔

دوسری بات کے متعلق یہ گذارش ہے کہ ہندو مذہب کے حوالوں میں اجمالی طور جس قدر اصل مضمون میں سپرد قلم کیا گیا ہے میرے خیال میں اس سے زیادہ تفصیلات کا دینا ایسی [illegible] کے ذخیرہ کا اضافہ کرنا ہے جو عقل سلیم کے پیش نظر غیر مفید ہے۔ پس اجمالی طور پر اظہار کر دینا کافی ہے کہ مذاہب عالم اور تاریخی شواہد اس واقعہ کے نفس ثبوت کے بہترین شاہد عدل ہیں۔

بہرحال اس قسم کے استدراک سے اصل مضمون کی تائید ہی نکلتی ہے جو قابل فکر یہ ہے اس کی اشاعت مضمون مکرر کی حیثیت رکھتی ہے۔